پروفیسر محمد ایوب قادری

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ کا فتویٰ جہاد
اور
اس کے مفتیانِ کرام

دہلی میں جنگِ آزادی کا آغاز یوں تو ۱۱ مئی ۱۸۵۷ کو ہوا اور بہادر شاہ ظفر کی بادشاہت کا اعلان ہو گیا مگر تحریک میں ضبط و نظم اور عوام میں جوش و جذبہ جنرل بخت خاں کے دہلی پہنچنے (۲ جولائی ۵۷ء) کے بعد پیدا ہوا۔ جنرل بخت خاں نے پہلا کام یہ کیا کہ اس نے علمائے دہلی سے فتویٰ جہاد مرتب کرایا۔ یہ فتویٰ اُس زمانے کے دہلی کے اخبارات "ظفر الاخبار" اور "صادق الاخبار" میں شائع ہوا۔ اس کے بعد دہلی میں جہاد کا چرچا خوب ہو گیا [۱]

شمس العلما مولوی ذکاء اللہ دہلوی نے اس سرگزشت کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے [۲]

"جب تک دہلی میں بخت خاں نہیں آیا، جہاد کے فتوے کا چرچا شہر میں بہت کم تھا۔ مساجد میں منبروں پر جہاد کا وعظ کم تر ہوتا تھا۔ دہلی کے مولوی اور اکثر مسلمان خاندانِ تیمور کو ایسا خوار خبطہ جانتے تھے کہ وہ ناممکن سمجھتے تھے کہ اس خاندان کی بادشاہی ہندوستان میں ہو مگر اس کے ساتھ عام مسلمانوں کا یہ یقین تھا کہ انگریزی سلطنت کے بدن میں یہ ایک ایسا پھوڑا نکلا ہے کہ وہ جانبر نہ ہوگی۔ یہ کار .... مسلمانوں کا تھا کہ وہ جہاد جہاد پکارتے پھرتے تھے مگر جب بخت خاں .... دہلی میں آیا تو اس نے یہ فتویٰ لکھایا کہ مسلمانوں پر جہاد اس لیے فرض ہے کہ اگر کافروں کو فتح ہوگی تو وہ ان کے سب بیوی بچے قتل کر ڈالیں گے۔ اس نے جامع مسجد میں مولویوں کو جمع کر کے جہاد کے فتوے پر دستخط و مہریں ان کی کرالیں۔ اس فتویٰ کا اثر یہ تھا کہ عام مسلمانوں میں جوشِ مذہبی زیادہ ہو گیا ......"[۳]

عبدالشاہد خاں شروانی نے علامہ فضل حق خیرآبادی کو فتویٰ جہاد کا ہیرو ثابت کرنے کے لیے ایک دوسری روایت بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں [۵۴]

"علامہ (فضل حق) سے جنرل بخت خاں ملنے پہنچے۔ مشورے کے بعد علامہ نے آخری تیر ترکش سے نکالا۔ بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علما کے سامنے تقریر کی، استفتا پیش کیا، مفتی صدرالدین خاں آزردہ صدر الصدور دہلی، مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبرآبادی، سید مبارک شاہ رام پوری نے دستخط کر دیے۔ اس فتویٰ کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی [۵۵]"

مولوی عبدالشاہد خاں شروانی نے معلوم نہیں یہ حکایت کہاں سے اخذ کی ہے۔ جہاد کے فتویٰ پر مولانا فضلِ حق خیرآبادی، قاضی فیض اللہ، مولوی فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر وزیر خاں اور سید مبارک شاہ رام پوری میں سے کسی کے دستخط نہیں ہیں [۵۶] مولوی فضل حق خیرآبادی تو وسط اگست ۱۸۵۷ء میں دہلی پہنچے تھے۔ اس وقت تک یہ فتویٰ مشتہر ہو چکا تھا۔ لہٰذا ان کے دستخط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا [۵۷]

فتویٰ کا متن درج ذیل ہے [۵۸]

استفتاء اور جواب

استفتاء [۵۹] کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ اب جو انگریز دہلی پر چڑھ آئے اہلِ اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس صورت میں اب اس شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں اور اگر فرض ہے تو وہ فرضِ عین ہے یا نہیں۔ وہ لوگ جو اور شہروں اور بستیوں کے رہنے والے ہیں، ان کو بھی جہاد چاہیے یا نہیں، بیان کرو، اللہ تم کو اجر دے گا۔"

جواب: "درصورتِ مرقوم فرضِ عین ہے اوپر تمام اس شہر کے لوگوں کے اور استطاعت ضرور ہے اس کی فرضیت کے واسطے۔ چنانچہ اس شہر والوں کو طاقت مقابلے اور لڑائی کی ہے۔ بسبب کثرتِ اجتماع افواج کے اور مہیا اور موجود ہونے آلاتِ حرب کے تو فرضِ عین ہونے میں کیا شک رہا اور اطراف و حوالی کے لوگوں پر جو دور ہیں باوجود خبر کے فرض کفایہ ہے، ہاں اگر اس شہر کے لوگ باہر ہو جائیں مقابلہ سے یا سستی کریں اور مقابلہ نہ کریں تو اس صورت

میں ان پر بھی فرض عین ہو جائے گا اور اسی طرح اسی ترتیب سے سارے اہل زمین پر شرقاً اور غرباً فرض عین ہو جائے گا اور جو عدد اوبستیوں پر ہجوم اور غارت اور قتل کا ارادہ کریں تو اس بستی والوں پر بھی فرض ہو جائے گا بشرط ان کی طاقت سے۔"

دستخط

۱۔ المجیب مصیب، احقر العباد نور جمال عفی عنہ ۔ ۲۔ العبد محمد عبد الکریم۔ ۳۔ فقیر سکندر علی ۔ ۴۔ سید محمد نذیر حسین ۔ ۵۔ رحمت اللہ۔ ۶۔ مفتی محمد صدر الدین ۔ ۷۔ مفتی اکرام الدین معروف سید رحمت علی ۔ ۸۔ محمد ضیاء الدین ۔ ۹۔ عبد القادر۔ ۱۰۔ فقیر احمد سعید ۱۱۔ محمد میر خاں ۔ ۱۲۔ العبد مولوی عبد الغنی ۔ ۱۳۔ خادم العلماء مولوی محمد علی ۔ ۱۴۔ فرید الدین۔ ۱۵۔ محمد سرفراز علی ۔ ۱۶۔ سید محبوب علی جعفری ۔ ۱۷۔ ابو احمد محمد حامی الدین ۔ ۱۸۔ العبد سید احمد علی ۔ ۱۹۔ الٰہی بخش ۔ ۲۰۔ محمد کریم اللہ۔ ۲۱۔ مولوی سعید الدین ۔ ۲۲۔ محمد مصطفےٰ خاں ولد حیدر شاہ نقشبندی ۔ ۲۳۔ محمد انصار علی ۔ ۲۴۔ حفیظ اللہ خاں ۔ ۲۵۔ محمد نور الحق ۔ ۲۶۔ محمد ہاشم ۲۷۔ حیدر علی ۔ ۲۸۔ العبد سیف الرحمٰن ۔ ۲۹۔ سید محمد ۔ ۳۰۔ محمد امداد علی عفی عنہ ۔ ۳۱۔ سید عبد الحمید عفی عنہ ۔ ۳۲۔ ضیاء الفقہاء سراج العلماء مفتی عدالت العالیہ محمد رحمت علی خاں ۳۳۔ خادم الشرع شریف رسول الثقلین قاضی القضاۃ محمد علی حسین ۔

اس فہرست کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں

۱۔ پہلے وہ علمائے کرام ہیں جنھوں نے اس فتوے کو درست اور صحیح سمجھتے ہوئے دستخط کیے تھے اور اس کے نتائج بھی بھگتے۔ ان لوگوں میں مندرجہ ذیل حضرات ہیں۔

(۱) شاہ احمد سعید (۲) شاہ عبد الغنی (۳) مولوی محمد سرفراز علی (۴) فرید الدین (۵) مولوی عبد القادر (لدھیانوی) (۶) سیف الرحمٰن (لدھیانوی) (۷) مولوی رحمت اللہ ۔

شاہ احمد سعید مجددی، شاہ ابو سعید مجددی کے نامور فرزند، عالم اور محدث تھے اور انھوں نے دہلی میں سب سے پہلے جہاد کا چرچا شروع کیا۔ کمال الدین حیدر حسینی لکھتے ہیں :[۹]

"مولوی احمد سعید، شاہ غلام علی کے نواسے، مجتہد اہل سنت، وہ جامع مسجد میں علم جہاد کے اٹھانے کے باعث ہوئے اور اہل اثنا عشری شریک اس جہاد کے نہ ہوئے، کس واسطے کہ ان

کے مذہب میں غیبتِ امام میں جہاد حرام ہے۔"

شاہ احمد سعید سقوطِ دہلی کے بعد ۱۸۵۷ء ہی میں اپنے اہل و عیال کو لے کر حجاز چلے گئے اور وہیں ۱۲۷۷ھ میں ان کا انتقال ہوا[10]

شاہ عبد الغنی، شاہ احمد سعید کے برادرِ خورد اور شاہ ابو سعید مجددی کے فرزند اصغر تھے۔ وہ ۱۲۳۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے نامور عالم اور محدث تھے۔ شاہ محمد اسحاق دہلوی کے تلمیذ و جانشین تھے۔ انھوں نے جہاد کے فتوے پر دستخط کیے اور پھر اپنے بھائی احمد سعید کے ہمراہ حجاز چلے گئے اور وہیں ۱۲۹۶ھ میں انتقال ہوا[11] ان کے تلامذہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ وغیرہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں جنھوں نے اپنے شیخ کے اتباع میں تحریکِ آزادی میں حصہ لیا۔

مولانا سرفراز علی، امام المجاہدین اور جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے ممتاز قائدین میں سے تھے۔ شمس العلماء ذکاء اللہ لکھتے ہیں[12]

"دہلی میں جب باغی سپاہ کے افسرِ اعلیٰ بخت خاں و غوث خاں و مولوی امام خاں رسالدار جمع ہوئے اور ان کے ساتھ مولوی عبد الغفار اور مولوی سرفراز علی آئے تو پھر وہابیوں کا اجتماع دہلی میں شروع ہوا اور مولوی سرفراز علی جہادیوں کے سرگرم کارکن اور امام المجاہدین اس کا معاون ہوا۔"

مولوی فرید الدین دہلی کے نامی گرامی عالم تھے، سلسلۂ بیعت و ارشاد بھی جاری تھا۔ ان کی ایک کتاب "سیف المسلول علیٰ من انکر اثر قدم الرسول" مشہور ہے۔ ۷ صفر ۱۲۷۴ھ کو فتحِ دہلی کے بعد انگریزوں نے مولوی فرید الدین کو گولی مار دی[13] ان کے نامور فرزند مولانا حافظ محمد عمر عرف سراج الحق دہلوی مشہور عالم اور شیخِ طریقت تھے۔

مولوی عبد القادر بن حکیم حافظ عبد الوارث لدھیانوی نامور عالم تھے۔ انھوں نے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار حصہ لیا۔ اس میں ان کے بڑے بھائی اور چاروں صاحبزادگان مولوی سیف الرحمٰن، مولوی محمد، مولوی عبد اللہ اور مولوی عبد العزیز بھی شریک رہے اور اس خاندان کی شرکت کی وجہ سے لدھیانہ اس تحریک کا خاص مرکز بن گیا تھا۔ ان لوگوں نے

پنجاب کی فوجوں سے بھی تعلقات قائم کر لیے تھے۔ مگر یہ ان ہی چھاؤنیوں میں ممکن ہو سکا جہاں ہندوستانی سپاہی متعین تھے۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں [۱۵]

"تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ پنجاب میں جہاں جہاں ہنگامے (بسلسلہ ۱۸۵۷) بپا ہوئے وہ پنجابیوں نے نہیں بلکہ ہندوستانیوں نے بپا کیے تھے۔ پنجابیوں نے تو ایک سے زیادہ موقعوں پر درخواست کی تھی کہ انھیں ہندوستانی فوجیوں سے الگ رکھا جائے۔"

ساورکر کا بیان ہے [۱۶]

"سکھ اور فرنگی فوجوں کے خلاف اپنی تازہ فتح کی خوشی اور مسرت سے سرشار ہو کر قوم پرست فوجی رسالہ دوپہر کے وقت شہر میں داخل ہوا۔ شہر میں ایک با اثر مولوی تھے جو ہمیشہ وہاں کے لوگوں کو فرنگی طوقِ غلامی کو اتار پھینکنے اور سوراج قائم کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ ان مولوی کی تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ یہ شہر پنجاب کی انقلابی پارٹیوں کا ایک مضبوط مرکز بن گیا، اور غلامی کی زنجیروں پر آخری ضرب لگانے کا وقت آگیا تو سارا شہر مولوی صاحب کے اشارے پر بیدار ہو گیا۔ لدھیانہ میں بھی انقلاب کی آگ لگی۔ جالندھر، پھلور اور لدھیانہ کی انقلابی افواج اور شہریوں کی قومی فوج مولوی صاحب کی زیر کمان دہلی کی طرف روانہ ہو گئی۔"

ایک ہم عصر وقائع نگار ۲ رجولائی ۱۸۵۷ کے ضمن میں لکھتا ہے [۱۷]

"عبدالرحمٰن و عبدالقادر دو صد سوار با آویزۂ خدمت گرد آوردند، نہ بہمیں بس، جستجو و تگاپو زیادہ ازیں دو صد کس بود، بخت خاں سپارش نمود کہ خسرو بہ ہر یک زوج دوشالہ بخشود۔"

مولوی عبدالقادر مسجد فتح پوری میں مقیم ہوئے اور وہیں ان کی اہلیہ کا انتقال ہوا۔

سقوطِ دہلی کے بعد مولوی عبدالقادر، ان کے بیٹے اور ساتھی کرنال ہوتے ہوئے پٹیالہ کے جنگلات میں روپوش ہو گئے اور لدھیانہ میں مولوی عبدالقادر کی تمام جائداد مع مسجد نیلام کر دی گئی اور گرفتاری کے لیے انعام مقرر ہو گیا۔

مولوی عبدالقادر اور ان کے بیٹے پٹیالہ سے بیس میل کے فاصلے پر موضع ستلانہ میں قیام پذیر ہو گئے اور وہیں ۱۲۷۶ھ - ۱۸۶۰ء میں مولوی عبدالقادر کا انتقال ہوا۔

مولوی عبدالقادر کے صاحبزادے مولوی سیف الرحمٰن نے بھی فتویٰ جہاد پر دستخط کیے تھے وہ کابل

چلے گئے اور پھر وطن واپس نہ آئے [۱۸] بقیہ تینوں صاحبزادے مولوی محمد، مولوی عبداللہ اور عبدالعزیز گرفتار ہوئے اور بعد ازاں بیان لوگوں کی رہائی عمل میں آئی۔ مشہور احراری لیڈر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ابن مولوی محمد زکریا، مولوی محمد کے پوتے تھے [۱۹]

ایک مولوی رحمت اللہ کے بھی دستخط ہیں اور اس وقت دہلی میں "رحمت اللہ" نام کے دو عالم دین تھے۔ ایک مولانا رحمت اللہ کیرانوی [۲۰] اور دوسرے مولانا رحمت اللہ دہلوی۔ آخر الذکر دہلی کے نامور عالم اور صاحب فتوی تھے۔ اس زمانے کے اکثر فتووں پر مولانا رحمت اللہ دہلوی کی مہر ملتی ہے۔ مولوی رحمت اللہ کیرانوی نے جنگ آزادی میں قائدانہ حصہ لیا تھا۔ شمس العلما ذکاء اللہ لکھتے ہیں: [۲۱]

"سب سے اول مولوی رحمت اللہ کیرانہ سے اس ٹوہ میں آئے کہ دہلی میں جہاد کی کیا صورت ہے۔ وہ بڑے عالم فاضل تھے۔ عیسائی مذہب کے رد میں صاحب تصنیف تھے۔ وہ قلعہ کے پاس مولوی محمد حیات کی مسجد میں اترے۔"

مولوی رحمت اللہ کیرانوی کا دہلی سے برابر تعلق رہا۔ عبداللطیف کے بیان کے مطابق مولوی رحمت اللہ دو سو اہلِ نجیب آباد کے ہمراہ دہلی پہنچے [۲۲] اور ان کا دہلی سے رابطہ رہا۔

مولوی امداد صابری صاحب نے دہلی کی جامع مسجد کے واگزاشت ہونے کے سلسلے میں ۱۸۶۰ کے ایک فتوے کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ دستخط مولوی رحمت اللہ کیرانوی کے نہیں بلکہ مولوی رحمت اللہ دہلوی کے ہیں۔"

مولوی امداد صابری لکھتے ہیں: [۲۳]

"اس فتوے کے دستخط کرنے والے مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نہیں تھے بلکہ دہلی کے مولانا رحمت اللہ صاحب تھے لیکن اس فتوے کے مرتب کرنے میں مولانا رحمت اللہ صاحب (کیرانوی ؟) شامل تھے۔"

فتویٰ مرتب کرنے میں شمولیت کے کیا معنی، اگر ان کے دستخط نہ تھے۔ ہمارے خیال میں یہ دستخط مولوی رحمت اللہ کیرانوی ہی کے ہیں۔ ایک بات اور قابلِ توجہ ہے کہ ۱۸۶۰ کے جس فتوے کا حوالہ مولوی امداد صابری صاحب نے دیا ہے اس میں دستخط کے الفاظ "محمد رحمت اللہ"

ہیں اور فتویٰ جہاد میں صرف "رحمت اللہ" ہیں۔

دوسرے گروہ میں وہ حضرات ہیں جن کے دستخط تو فتوے پر ہیں مگر قرائن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اس تحریک میں دل سے شریک نہیں تھے بلکہ اس وقت کے حالات کو دیکھتے ہوئے انھوں نے اس فتویٰ پر مجبوراً دستخط کیے تھے۔ ان لوگوں کی سرگرمیوں کا دائرہ درس و تدریس تک محدود تھا اور عملی سیاست سے انھیں کوئی سروکار نہ تھا۔

(۱) شیخ الکل شمس العلما میاں سید محمد نذیر حسین (۲) مولوی حفیظ اللہ خاں (۳) شمس العلما مولوی ضیاء الدین "ان بعض حضرات" میں سے ہیں۔

مولوی میاں نذیر حسین بن جواد علی، سورج گڑھ (بہار) میں ۱۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے علمائے دہلی سے تحصیلِ علم کیا۔ اہلِ حدیث کے مقتدا ٹھہرے[۲۴] افتخار عالم مارہروی لکھتے ہیں[۲۵]

"آفت یہ ٹوٹ پڑی کہ دورانِ بغاوت جنرل بخت خاں نے ان مولویوں سے زبردستی جہاد کے فتوے پر مہریں کرالیں۔"

شمس العلما ذکاء اللہ لکھتے ہیں[۲۶]

"جن مولویوں نے فتوے پر مہریں کی تھیں وہ کبھی پہاڑی پر انگریزوں سے لڑنے نہیں گئے مولوی نذیر حسین جو دہابیوں کے مقتدا اور پیشوا تھے ان کے گھر میں تو ایک میم چھپی بیٹھی۔"

مولوی نذیر حسین کے اس طرزِ عمل کی جہادیوں کو بھی خبر لگ گئی تھی اور وہ ان کے درپے ہوئے مگر بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی فہمائش سے یہ بلا ٹل گئی۔ ہم عصر وقائع نگار عبداللطیف لکھتے ہیں[۲۷]

"خسرو بکج آرائی ایشاں (جہادیاں) برآشفت و بہ شاہزادگاں فرمود کہ مولوی سید محمد نذیر حسین را کہ از شدت ناکساں پراشیدہ حال بودہ است وارہانند و غلبہ بے جا از اں جا بردارند۔"

مولوی نذیر حسین کو اس صلے میں ایک ہزار تین سو روپے انعام ملا۔ اس سلسلہ میں ایک سرٹیفکیٹ میاں نذیر حسین کی سوانح عمری سے نقل کیا جاتا ہے[۲۸]

"دہلی مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۸۷۷ء

ڈبلیو۔ جی۔ واٹر فیلڈ قائم مقام کمشنر دہلی۔

"مولوی نذیر حسین اور ان کے بیٹے مولوی شریف حسین اور ان کے دوسرے گھر والے غدر کے زمانے میں مسز لیسنس کی جان بچانے میں ذریعہ ہوئے، حالت مجروحی میں انھوں نے ان کا علاج کیا۔ ساڑھے تین مہینے اپنے گھر میں رکھا اور بالآخر دہلی کے برٹش کیمپ میں ان کو پہنچا دیا۔"

"وہ کہتے ہیں کہ ان کے انگریزی سرٹیفیکیٹ ایک آتش زدگی میں جو ان کے مکان واقع دہلی میں ہوئی تھی، جل گئے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ان کا کہنا بہت ہی قرین امکان ہے، غالباً ان کو جنرل چمبرلین، جنرل برن اور کرنل سائنڈ وغیرہم سے سرٹیفیکیٹ ملے تھے۔ مجھ کو وہ واقعات اور مسز لیسنس کا کیمپ میں آنا اچھی طرح یاد ہے۔ ان لوگوں کو اس خدمت کے صلے میں مبلغ دو سو اور چار سو روپے ملے تھے۔ مبلغ سات سو روپے بابت تاوان منہدم کیے جانے مکانات کے ان لوگوں کو عطا کیے گئے تھے۔ یہ لوگ ہماری قوم سے حسن سلوک اور الطاف کے مستحق ہیں۔"

مسز لیسنس کی جان بچانے میں بقول افتخار عالم مارہروی شمس العلما ڈپٹی نذیر احمد دہلوی بھی شامل تھے اور اس انگریز خاتون کو وہی اٹھا کر لائے تھے اور جنگ آزادی کے بعد جب ڈپٹی نذیر احمد ڈپٹی انسپکٹر مقرر ہوئے تو میاں نذیر حسین کے صاحبزادے مولوی شریف حسین (ف ۱۳۰۴ھ) نے اس کو اپنے باپ کا حق سمجھا۔ مولوی افتخار عالم مارہروی لکھتے ہیں:[۲۹]

"مولوی شریف حسین نے دعویٰ کیا کہ مولوی نذیر احمد صاحب کو جو نوکری مل گئی ہے وہ میرے باپ مولوی نذیر حسین صاحب کا حق ہے ..... ان لغو باتوں کا نتیجہ ہوا کہ دونوں خاندانوں میں تا ایندم صفائی نہیں ہوئی۔"

شمس العلما شیخ ضیاء الدین دلی کالج کے تعلیم یافتہ، نارمل اسکول کے مدرس، دلی کالج کے عربی کے پروفیسر اور بعد اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے۔ ان کے والد وارث شیخ محمد بخش بستی تحصیل دہلی کے رہنے والے اور خاص دہلی میں تھانے دار تھے۔ مولوی بشیر الدین لکھتے ہیں:[۵۳]

"یہ خاندان گورنمنٹ کا خیر خواہ تھا۔ غدر میں دھیرج کی پہاڑی پر خبر رسانی کرتے تھے جس کے صلے میں کچھ اراضی انعام میں ملی ہوئی ہے۔ مولوی صاحب (ضیاء الدین) مولوی مملوک علی نانوتوی مشہور عالم کے شاگرد تھے اور مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور سے بھی فارسی تحصیل کی

تھی، ایامِ غدر میں دہلی کالج میں مدرس ہوئے۔"

۱۳۲۶ھ میں شمس العلما ضیاء الدین کا حجاز میں انتقال ہوا۔

مولوی حفیظ اللہ خاں بھی اسی زمرے میں شامل ہیں۔ انھوں نے بھی مجبوراً مہر کردی تھی وہ میاں نذیر حسین کے سمدھی اور شاگرد تھے۔ ان کی صاحبزادی مولوی شریف حسین کو منسوب تھیں۔ وہ بھی مشہور اہلِ حدیث عالم تھے۔ ۱۸۵۷ کے بعد ان پر کوئی دار و گیر نہیں ہوئی بلکہ وہ ڈپٹی نذیر احمد کے خسر مولوی عبد القادر (ابن مولوی عبد الخالق) کی مستورات کو دہلی سے نکال کر دیہات میں لے گئے۔ ۳ر رمضان ۱۳۲۴ھ کو ان کا انتقال ہوا۔ میاں نذیر حسین اور مولوی حفیظ اللہ خاں وغیرہ کے متعلق سرسید احمد خاں لکھتے ہیں[۳۱]:

"جن لوگوں کی مہر اس فتویٰ پر چھاپی گئی ہے، ان میں سے بعضوں نے عیسائیوں کو پناہ دی اور ان کی جان اور عزت کی حفاظت کی۔ ان میں سے کوئی شخص لڑائی پر نہیں چڑھا، مقابلے پر نہیں آیا اور اگر واقع میں وہ ایسا ہی سمجھتے جیسا کہ مشہور ہے تو یہ باتیں کیوں کرتے۔"

ان ہی علما کے متعلق جماعت اہلِ حدیث کے وکیل اور اشاعۃ السنہ لاہور کے ایڈیٹر مولوی ابو سعید محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں[۳۲]:

"مولوی سرفراز علی نے بحکم بخت خاں وہ فتویٰ پڑھ کر سنایا۔ جب وہ فتویٰ تمام ہوا تو بخت خاں وغیرہ باغی افسروں نے علما کو حکم دیا کہ اس فتوے پر اپنے دستخط کردیں ورنہ سب قتل کردیے جائیں گے۔ پس سب نے بخوفِ جان کرہاً و جبراً دستخط کردیے اور اگر وہ دستخط نہ کرتے تو اس وقت سب تلوار سے قتل کیے جاتے یا توپ سے اڑائے جاتے ...... ہمارے اس دعویٰ پر کہ انھوں نے جبراً دستخط کیے ہیں، دلی ارادے سے نہیں کیے، ایک بڑی روشن دلیل یہ ہے کہ وہ لوگ دستخط کرکے پھر گھر سے باہر نہ نکلے اور اس جہاد میں شریک نہ ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب گورنمنٹ انگلشیہ کا دہلی پر دوبارہ تسلّط ہوا تو گورنمنٹ نے ان دستخط کرنے والے مولویوں کو بری الذمہ قرار دیا۔ نہ کسی کو پھانسی دی نہ کسی کا گھر لوٹا۔ باوجودیکہ باغیوں کے مددگاروں کو پھانسی دینا اس وقت کا عام رول تھا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ان ہی مجبور ہو کر دستخط کرنے والے مولویوں سے مولوی حفیظ اللہ خاں اور مولوی نذیر حسین اور ان کے بیٹے مولوی شریف حسین اور

ان کے شاگردان، مولوی محمد صدیق پشاوری اور مولوی عبداللہ مرحوم غزنوی نے (جن کی اولاد و قبائل اب امرتسر میں آباد ہیں) ایک میم کو زخمی پاکر امن دیا اور اپنے گھر میں لے جاکر اس کے زخموں کا علاج کرکے جب موقع پایا، سرکاری کیمپ میں پہنچا دیا۔"

مولوی سید محبوب علی بن مصاحب علی اس دور کی نامی گرامی شخصیت ہیں۔ وہ ۱۲۰۰ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کے تلمیذ رشید تھے۔ متعدد رسالے ان سے یادگار ہیں۔ سید احمد شہید کے ہمراہ جہاد کرنے کی غرض سے یاغستان پہنچے مگر وہاں کے حالات دیکھ کر انھوں نے اختلاف کیا اور واپس چلے آئے۔ ۱۸۵۷ کے فتوئ جہاد کے متعلق سرسید احمد خاں لکھتے ہیں[۳۳]

"مولوی محبوب علی صاحب وہ شخص تھے جن کو ۱۸۵۷ میں باغیوں کے سرغنہ بخت خاں نے عین ہنگامۂ غدر میں طلب کیا اور ان سے یہ درخواست کی کہ آپ اس زمانے میں انگریزوں پر جہاد کرنے کی نسبت ایک فتوے پر دستخط کریں۔ مولوی محبوب علی صاحب نے صاف انکار کیا۔ اور بخت خاں سے کہا کہ ہم مسلمان گورنمنٹ انگریزی کی رعایا ہیں۔ ہم اپنے مذہب کی رو سے اپنے حاکموں سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور طرہ بریں یہ ہوا کہ جو ایذا بخت خاں اور اس کے رفیقوں نے انگریزوں کی میموں اور بچوں کو دی تھیں اس کی بابت بخت خاں کو سخت لعنت ملامت کی۔"

حقیقت امر یہ ہے کہ سید محبوب علی نے دستخط کیے تھے مگر وہ دارو گیر میں نہیں آئے بلکہ امیر الروایات میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ ان کو کچھ انعام بھی ملا تھا جسے لینے سے انھوں نے انکار کر دیا تھا[۳۴]۔ افسوس کہ مولوی محبوب علی کے بارے میں کوئی مستند ماخذ موجود نہیں، سرسید احمد خاں نے مصلحت کے قلم سے تصویر کشی کی ہے اور امیر الروایات پر پورے طور سے اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

مولوی محبوب علی کا ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ کو انتقال ہوا۔

مفتی صدرالدین آزردہ، دہلی کے نامی گرامی عالم، مفتی اور صدرالصدور تھے، فتویٰ پر مہر کرنے کے جرم میں ان پر مقدمہ چلا، نصف جائیداد اور عظیم الشان کتب خانہ ضبط ہوا۔ مفتی صاحب کے دستخط کے ساتھ کوئی عبارت موجود نہیں ہے مگر مؤلف خم خانہ جاوید لکھتے ہیں[35]

"غدر ۱۸۵۷ء کے بعد آپ بھی مختلف مصائب اور دقتوں میں پھنس گئے تھے اس موقع کا ایک علمی لطیفہ زبان زد خاص و عام ہے یعنی مفسدوں نے آپ سے جواز جہاد کے فتوے پر زبردستی مہر کرانی چاہی تو آپ نے مہر کے ساتھ یہ الفاظ بھی لکھ دیے۔ "فتویٰ بالجبر" مفسدوں نے اس لفظ کو بالخیر سمجھ کر پیچھا چھوڑ دیا مگر جب بعد از فتح دہلی دفتر سے وہ کاغذ برآمد ہوا تو سرکار نے پکڑا اور جواب طلب کیا آپ نے فتویٰ بالجبر ثابت کر کے رہائی پائی۔"

مفتی آزردہ کا انتقال ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ (۱۶ جولائی ۱۸۶۸ء) کو ہوا[36]

تیسرے گروہ میں وہ لوگ ہیں کہ جن کے حالات سے ہم کسی قدر واقف ہیں اور بعض کتب تاریخ اور تذکروں میں ان کا ذکر بھی مل جاتا ہے جیسے سید احمد علی امام جامع مسجد تھے اور ان کے فرزند سید محمد تھے۔ سید محمد، سرسید احمد خاں کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اسی طرح مولوی کریم اللہ (ف ۱۲۹۱ھ - ۷۵-۱۸۷۴ء) بھی دہلی کے مشہور واعظ و عالم تھے[37] مفتی رحمت علی خاں شاہی مفتی اور مشہور عالم تھے۔ سعید الدین کے متعلق مولوی رضی الدین بدایونی (ف ۱۹۲۵ء) نے اپنی کتاب کنز التاریخ (تاریخ بدایون) میں لکھا ہے کہ یہ ان کے والد مولوی حکیم سعید الدین المتخلص بہ کامل کے دستخط ہیں۔ اس زمانے میں یہ خاندان دہلی میں سکونت پذیر تھا اور شاہی معافی داروں میں تھا۔ معلوم نہیں ان لوگوں پر انگریزی سرکار کی دار و گیر ہوئی یا نہیں؟ الا حکیم سعید الدین کے[38]

ان کے علاوہ بقیہ حضرات کے حالات نہیں ملتے کہ وہ کس درجے کے لوگ تھے اور ۱۸۵۷ء کے بعد ان کا کیا حشر ہوا۔

حواشی

[1] سرسید احمد خاں۔ اسبابِ بغاوتِ ہند (مقدمہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی) کراچی ۱۹۵۷ء، ص ۱۰۷

۲۔ ذکاء اللہ شمس العلما، "تاریخ عروج عہدِ سلطنت انگلشیہ (دہلی ۱۹۰۴) ص ۶۷۵ - ۶۷۶

۳۔ ذکاء اللہ نے مجاہدین کے لیے نازیبا اور ناشائستہ الفاظ استعمال کیے ہیں جو حذف کر دیے گئے۔

۴۔ عبدالشاہد خاں شروانی، باغی ہندوستان (بجنور ۱۹۴۷) ، ص ۱۵۶

۵۔ لطف کی بات یہ ہے کہ عبدالشاہد خاں شروانی نے حوالہ دیا ہے "تاریخ ذکاء اللہ" گویا یہ ساری کیفیت تاریخ ذکاء اللہ کی بنیاد پر بیان کی گئی ہے حالانکہ آخری جملہ "دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی" - تاریخ ذکاء اللہ سے مقتبس ہے۔

۶۔ دہلی کی جامع مسجد میں اتنا اہم فتویٰ مرتب ہوا اور اس پر مفتی صدر الدین کے علاوہ دہلی کے کسی ممتاز و معروف عالم کے دستخط نہ ہوں - یہ بات غور طلب ہے۔

۷۔ حکیم محمود احمد برکاتی صاحب نے "فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے - اس میں انھوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ اس فتویٰ کے علاوہ کوئی اور فتویٰ ہوگا جس پر مولانا فضل حق خیرآبادی کے دستخط ہوں گے - ظاہر ہے یہ ظن و تخمین کی بات ہے - (فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون — برکات اکیڈمی ۱۹۷۵) ص ۶۸ - ۷۱ -

۸۔ فتوے کے متن کے لیے ملاحظہ ہو خورشید مصطفیٰ رضوی، جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء (دہلی ۱۹۵۹ء) ص ۵۷۸، ۵۷۹ - امداد صابری، ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا (دہلی ۱۹۵۹) ص ۱۴۸ - ۱۵۰، عتیق صدیقی، اٹھارہ سو ستاون اخبار اور دستاویزیں (دہلی ۱۹۶۶ء) ص ۱۹۸ - ۱۹۹

۹۔ کمال الدین حیدر حسینی، قیصر التواریخ جلد دوم (لکھنؤ ۱۸۹۶ء) ص ۴۵۰

۱۰۔ احمد علی خاں شوق، تذکرہ کاملانِ رام پور (دہلی) ص ۱۸

۱۱۔ رحمان علی، تذکرۂ علمائے ہند (اردو ترجمہ محمد ایوب قادری) کراچی ۱۹۶۱، ص ۳۱

۱۲۔ ذکاء اللہ، ص ۶۷۵

۱۳۔ محمد عمر سراج الحق، ریاض الانوار، جلد اول (دہلی ۱۳۰۰ھ) ص ۸۹

۱۴۔ تفصیل کے لیے دیکھیے، محمد اکبر علی صوفی، سلیم التواریخ (جالندھر ۱۹۱۹ء) ص ۴۷۰ - ۴۷۳ عزیز الرحمٰن جامعی، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ہندوستان کی جنگِ آزادی (دہلی ۱۹۶۱ء) ص ۵ و مابعد

۱۵۔ غلام رسول مہر، جنرل سر عمر حیات خاں ٹوانہ (لاہور ۱۹۶۵)، ص ۱۵۹

۱۶ بحوالہ عزیز الرحمٰن جامعی، ص ۵۶

۱۷ ۱۸۵۷ کا تاریخی روزنامچہ، عبداللطیف، (مرتبہ خلیق احمد نظامی) (دہلی ۱۹۵۸) ص ۸۸

۱۸ عزیز الرحمٰن، ص ۶، ۸، محمد اکبر علی صوفی، ص ۴۷۲، ۴۷۳

۱۹ مولوی عبدالقادر کے صاحبزادگان کے لیے دیکھیے عزیز الرحمٰن جامعی ۱۵ - ۱۸، محمد اکبر علی صوفی ص ۴۷۴
علی اصغر چودھری، قوم ارائیں (لاہور ۱۹۶۶) ص ۳۵۴

۲۰ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے حالات نہایت تفصیل سے مولانا امداد صابری نے "آثار رحمت" کے عنوان سے لکھے ہیں۔ (دہلی ۱۹۶۶)

۲۱ ذکاء اللہ، ص ۶۷۶ — ۲۲ عبداللطیف، ص ۸۷

۲۳ امداد صابری، ص ۲۲۲، ۲۲۹ — ۲۴ دیکھیے رحمان علی، ص ۵۹۵

۲۵ افتخار عالم مارہروی، حیات النذیر (دہلی ۱۹۱۲) ص ۷۴

۲۶ ذکاء اللہ، ص ۶۷۶، افتخار عالم مارہروی، ص ۳۹

۲۷ عبداللطیف، ص ۱۰۴

۲۸ فضل حسین، الحیات بعد الممات (طبع دوم کراچی ۱۹۵۹) ص ۳۹ - ۴۸

۲۹ افتخار عالم مارہروی، ص ۴۸

۳۰ بشیر الدین، واقعات دار الحکومت دہلی، ج دوم (آگرہ ۱۹۱۹) ص ۱۷۹

۳۱ اسباب بغاوتِ ہند، ص ۱۰۸

۳۲ اشاعۃ السنہ لاہور، ج ۵ نمبر ۱ بحوالہ آثار رحمت، ص ۲۲۴ - ۲۲۸

۳۳ سر سید احمد خاں، ہنٹر پر ہنٹر (لاہور ۱۹۴۹)

۳۴ امیر شاہ خاں (مرتبہ اشرف علی تھانوی)، ارواح ثلاثہ (سہارن پور ۱۳۷۰ھ)، ص ۲۲۴

۳۵ لالہ سری رام، خم خانہ جاوید، حصہ اول (دہلی ۱۹۰۸)، ص ۵۳

۳۶ رحمان علی (اردو ترجمہ)، ص ۲۴۷، ۲۴۹ - — ۳۷ ایضاً، ص ۳۹۷

۳۸ رضی الدین بسمل بدایونی، کنز التاریخ (بدایون ۱۹۰۷)، ص ۳۵۰ - ۳۵۲